ٹیکس کی شرعی حیثیت

جناب مولانا فضل الرحمٰن بن محمد

ٹیکس انگریزی کا لفظ ہے اور یہ اس رقم کے لیے استعمال ہوتا ہے جو حکومت کے چلانے کے لیے مختلف صورتوں میں لوگوں سے وصول کی جاتی ہے۔ اس کی وصولی ایک نظام کے تحت ہوتی ہے اور جن لوگوں پر ٹیکس عائد ہوجاتا ہے۔ اگر وہ وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کریں تو ان کے خلاف باقاعدہ قانونی کاروائی کی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں ٹیکس کی عمومی دو صورتیں ہیں۔ ایک بالواسطہ اور دوسری بلاواسطہ۔

بالواسطہ سے مراد وہ ٹیکس ہیں جو عوام الناس ادا تو کرتے ہیں لیکن ان کو پتہ نہیں چلتا۔ جیسے پیٹرول، بجلی، گیس اور دوسری وہ اشیاء کہ جن کی خرید و فروخت میں ٹیکس شامل ہوتا ہے اور جو ٹیکس کسی شخص کی ذاتی آمدنی اور کمائی پر عائد ہوتا ہے۔ اس کو بلاواسطہ کہا جاتا ہے۔

ٹیکس کی تاریخ

کہا جاتا ہے کہ یونان اور روم میں سب سے پہلے استعمال ہونے والی اشیاء پر ٹیکس لگایا گیا۔ درآمدی ڈیوٹی کو اندرونِ ملک بننے والے مال پر وصول ہونے والی ڈیوٹی پر ترجیح دی جاتی تھی۔ جنگ کے دنوں میں جائداد پر بھی عارضی طور پر ٹیکس عائد کردیا جاتا تھا۔ پھر اس کا دائرہ کار جائداد کی خرید و فروخت تک وسیع کر دیا گیا۔ یونان اور روم میں آزاد اور غلام اور اسی طرح قومی اور غیر قومی باشندوں میں ٹیکس کے بارے میں امتیاز کیا جاتا تھا۔

روم میں استعمال ہونے والی اشیاء اور درآمدات پر ڈیوٹی کے علاوہ اور بھی بلاواسطہ ٹیکس تھے۔ ان میں اصول یہ کارفرما تھا کہ ہر شخص خراج ادا کرے۔ جولیس سیزر کے زمانہ میں پہلی مرتبہ ایک فیصد سیلز ٹیکس (SALESTAX) نافذ کیا گیا۔ صوبوں کی آمدنی کا زیادہ تر دارومدار شخصی اور زرعی

زمینوں پر عائد کردہ ٹیکسوں پر تھا۔ آغاز میں یہ نہ دیکھا جاتا تھا کہ زمین آباد ہے یا غیر آباد جیسا کہ فارس اور مصر میں بھی کیا گیا لیکن بعد میں زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ (۱/۱۰) زمیندار سے وصول کر لیا جاتا تھا۔

جولیس سیزر سے پہلے ٹیکسوں کو اکٹھا کرنے کی ذمہ داری زمینداروں میں سے کسی شخص کے سپرد کر دی جاتی اور ٹیکسوں میں سے کچھ فیصد حصہ اس کو معاوضہ کے طور پر دے دیا جاتا۔ لیکن جولیس سیزر نے یہ ذمہ داری سرکاری افسروں کو سونپ دی۔ قرون وسطیٰ میں بالواسطہ ٹیکسوں کی جگہ بلاواسطہ ٹیکسوں نے لے لی۔ جن میں زیادہ تر درآمدی ڈیوٹی اور مارکیٹ فیس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ شہروں میں لوگ ٹیکس ادا کرنے کے عادی ہو گئے۔ کھانے پینے کے سامان پر تجار اور خریداروں نے ٹیکس کا بوجھ اٹھا لیا۔ جرمنی اور اٹلی میں بھی چند بلاواسطہ ٹیکس عائد کئے گئے جو غریبوں کی ذات اور امیروں کے مال پر ہوتے تھے[1]

سب سے پہلے جس ملک نے عام انکم ٹیکس کے نظام کو اپنایا وہ برطانیہ ہے۔ نپولین بوناپارٹ کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے برطانوی حکومت نے ۱۷۹۹ء میں دو سو[2] پونڈ سے زیادہ ہونے والی آمدنی پر دس فیصد ٹیکس لگا دیا لیکن ساٹھ پونڈ سے کم آمدنی کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

۱۸۱۰ء میں جب لڑائی ختم ہوئی تو ۱۸۴۲ء تک برطانوی باشندوں کو ٹیکس کے بوجھ سے آزاد کر دیا گیا۔ لیکن وزیر اعظم سر رابرٹ پیل (SIR ROBERT PEEL) نے بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لیے پھر سے ہنگامی طور پر ہر پونڈ پر سات پنس ٹیکس عائد کر دیا۔ ۱۸۸۰ء تک برطانوی رعایا ٹیکس ادا کرنے کی عادی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ٹیکس ہمہ وقتی معمول بن گیا۔ ۱۹۱۰ء میں ٹیکس دہندہ میں سے جس کی آمدنی پانچ سو پونڈ سے زیادہ نہ ہوتی اس کو ہر بچہ کے لیے دس پونڈ کی چھوٹ دے دی گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر چھ شلنگ کے حساب سے سوپر ٹیکس (SUPER TAX) بھی عائد کر دیا گیا[2]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۷ ص ۱۰۷۷ تا ۱۰۷۸

[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۹ ص ۲۷۵

جرمنی کے صوبہ پروسیا میں ۱۸۵۱ء میں ٹیکس لگانے کی کوشش کی گئی لیکن ۹۲۔۱۸۹۱ء میں اصلاح کے بعد اسے از سر نو مرتب کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء تک جرمنی کے سارے صوبوں میں باقاعدہ نافذ ہو گیا۔

فرانس میں ٹیکس لگانے کی کوشش کا آغاز ۱۸۷۰ء میں ہوا لیکن نفاذ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم سے دو ہفتے پہلے ہوا[۱]

اٹلی میں پہلی بار آمدنی، زمین، عمارات اور منقولہ دولت پر ۱۸۶۴ء میں ٹیکس عائد ہوا۔

سویڈن میں ٹیکس لگانے کی ابتدا ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔

امریکہ میں صحیح طور پر ٹیکس کا نفاذ ۱۹۱۳ء میں دستور کی سولھویں ترمیم کے ذریعے ہوا۔ حالانکہ امریکہ کی باہمی خانہ جنگی کے نقصانات کو پورا کرنے کے لیے ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۲ء تک چھ سو ڈالر سے زائد آمدنی پر تین فیصد اور دس ہزار ڈالر پر پانچ فیصد وصول کیا جاتا تھا بعد میں ایک ترمیم کے ذریعے پانچ ہزار ڈالر سے زائد آمدنی پر دس فیصد شرح کر دی گئی۔

۱۸۹۴ء میں صدر امریکہ گروور کلیولینڈ GROVER CLEVELAND نے جب دوبارہ ٹیکس لگانے کی کوشش کی تو سپریم کورٹ نے اسے غیر دستوری قرار دے کر ختم کر وا دیا لیکن دستور میں ترمیم کے بعد جب ٹیکس کا نفاذ ہوا تو اس وقت زیادہ سے زیادہ شرح پانچ لاکھ ڈالر سے زیادہ آمدنی پر چھ فیصد رکھی گئی۔ لیکن پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان شرح اس تیزی سے بڑھی کہ جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تو اس وقت کم سے کم شرح تیئس ۲۳ فیصد اور زیادہ سے زیادہ چورانوے ۹۴ فیصد تھی۔ ٹیکس سے محفوظ حد صرف پانچ سو ڈالر رہ گئی[۲]

انگریز حکومت نے ہندوستان میں پہلی مرتبہ ۱۸۶۰ء میں انکم ٹیکس ایکٹ ۱۸۶۰ء کے تحت ٹیکس نافذ کیا۔ جسے ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک معطل کر دیا گیا لیکن ۱۸۶۰ء میں تھوڑی سی ترمیم کے بعد دی لائسنس ایکٹ آف ۱۸۶۷ء کے نام پر پھر سے جاری ہو گیا۔ جس کے تحت دو سو روپیہ

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۹ ص ۲۷۵

[۲] دی ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا [illegible] ص ۸۸

سے زائد آمدنی پر دو فیصد ٹیکس عائد کر دیا گیا۔

۱۸۶۸ء میں اسی ایکٹ کا نام سرٹیفیکیٹ ایکٹ ۱۸۶۸ء رکھ دیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت ٹیکس کی شرح کم کر کے ⅗ ۱ کر دی گئی۔ ٹیکس سے مستثنیٰ رقم دو سو سے بڑھا کر پانچ سو کر دی گئی۔ ۱۸۶۹ء کے دوران کمپنیوں پر ½ ۱ فیصد اور گورنمنٹ سیکورٹیز پر ½ ۲ فیصد ٹیکس لگا دیا گیا۔ دوسرے ذرائع سے وصول ہونے والے ٹیکسوں کی شرح کو دُگنا کر دیا گیا۔

۱۸۷۲ء میں ٹیکس سے مستثنیٰ رقم کو پہلے ساڑھے سات سو اور پھر ایک ہزار کر دیا گیا۔

یکم اپریل ۱۸۷۳ء میں دوسری مرتبہ چار سال کے لیے لوگوں کو عارضی طور پر ٹیکس سے نجات ملی۔ لیکن ۱۸۷۷ء میں لائسنس ٹیکس ایکٹ ۱۸۷۷ء کے تحت ہندوستان کے باسیوں پر پھر سے ٹیکس مسلط کر دیا گیا۔

۱۸۶۰ء سے ۱۸۸۰ء تک انکم ٹیکس ایکٹ میں ۱۲ ترامیم ہوئیں اور دو مرتبہ معطل ہوا۔ لیکن ۱۸۸۶ء میں اسے ایسی صورت دے دی گئی کہ پھر تیس سال نافذ العمل رہا جس کے تحت پانچ سو روپے سے کم آمدنی کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ سود اور تنخواہوں کی رقم جو پانچ سو سے دو ہزار تک ہوتی اس پر ۴ پائی فی روپیہ کے حساب سے ٹیکس لیا جاتا۔ دوسری عام آمدنیوں پر جو دو ہزار سے زیادہ ہوتیں۔ ان پر ۵ پائی فی روپیہ کے حساب سے ٹیکس وصول کیا جاتا۔

۱۹۱۶ء میں نئی ترمیم کے ذریعہ تنخواہوں۔ بونس۔ سالانہ وظائف پنشن اور سرکاری عطیات پر ایک ہزار سے دو ہزار روپے پر ۴ پائی فی روپیہ سے ٹیکس کا نیا شیڈول دیا گیا۔ اسی طرح دوسری آمدنیوں پر یعنی دو ہزار سے پانچ ہزار پر ۵ پائی فی روپیہ، پانچ ہزار ایک روپے سے دس ہزار تک ۶ پائی فی روپیہ، دس ہزار ایک سے پچیس ہزار روپے پر ۹ پائی فی روپیہ اور پچیس ہزار سے اوپر رقم پر ۱۲ پائی فی روپیہ کے حساب سے ٹیکس کا نیا نظام قائم ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں پہلی مرتبہ کل آمدنی (TOTAL INCOME) اور قابل ٹیکس آمدنی (TAXABLE INCOME) کا تصور دیا گیا۔ آل انڈیا کمپنی کے ذریعے انکم ٹیکس ایکٹ کو انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۲۲ء کا نام دے دیا گیا۔[1]

[1] انکم ٹیکس لاء، از خواجہ امجد سعید ص ۲ اور ص ۳

اگرچہ ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۴ء، اور ۱۹۴۵ء میں بھی معمولی ترامیم ہوئیں لیکن یہی وہ ایکٹ ہے جو فقید المثال قربانی کے بعد ملنے والے پاکستان کو انگریزی سرکار سے ورثے میں ملا اور وہ آج بھی اپنی اصل کے ساتھ پورے پاکستان میں رائج ہے۔

مکس اسلام سے پہلے انسانی معاشرے میں جو مختلف قسم کے ٹیکس رائج تھے۔ ان میں ایک مکس تھا۔ جو زمانہ جاہلیت میں لوگوں سے زبردستی وصول کیا جاتا تھا[۱]

علامہ ابن منظور نے نقل کیا ہے۔

دراھم کانت تؤخذ من بائع السلع فی الاسواق فی الجاھلیۃ[۲]

یہ وہ درہم تھے جو جاہلیت کے زمانے میں بازاروں میں مال فروخت کرنیوالوں سے وصول کئے جاتے تھے۔

ایسے شخص کے بارے میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان صاحب المکس فی النار[۳]

بے شک ٹیکس وصول کرنے والا جہنم میں ہوگا۔

لا یدخل الجنۃ صاحب مکس یعنی العشار[۱]

تجارتی عشر وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حافظ ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے۔

اما الان فانھم یاخذون مکسا باسم العشر ومکوسا اخرلیس لھا اسم بل شیٔ یاخذون حراما سحتا ویاکلونہ فی بطونھم نارا حجتھم فیہ داحضۃ عند ربھم وعلیھم غضب۔

---

[۱] کتاب الاموال ص ۶۹۴ مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۹ الفتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۱ الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۵۶۸

[۲] لسان العرب ج ۶ ص ۲۲۰

[۳] کتاب الاموال ص ۶۹۴ مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۹ الفتح الربانی ج ۱۷

"آج کل عشر کے نام پر جو ٹکس یا مکوس لوگ وصول کر رہے ہیں ۔ اس کا کوئی نام نہیں ۔ بلکہ وہ ناجائز اور حرام ہے وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں ۔ اپنے ربّ کے پاس ان کی حجت نہیں چلے گی اور ان پر غضب ہوگا۔

ولهم عذاب شديد [1]

اور ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔

مسند احمد کے شارح احمد عبد الرحمٰن البنا الساعتی نے بھی واضح کیا ہے۔

ان المكس من اعظم الذنوب وذلك لكثرة مطالبات الناس ومظالماتهم وصرفها فى غير وجهها [2]

"بے شک ٹیکس گناہ کبیرہ میں سے ہے ۔ اس لیے کہ لوگوں سے کثرت کے ساتھ مطالبے کیئے جاتے ہیں اور نہ وصول ہونے کی صُورت میں ان پر ظلم کئے جاتے ہیں اور وصول کر کے ان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔"

انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے ۔

انما كان فى النار لظلمه الناس واخذ اموالهم بدون حق شرعى فان استحل ذلك كان فى النار خالدا فيها ابدًا لانه كافر والا فيعذب فيها مع عصاة المؤمنين ماشاء الله ثم يخرج ويدخل الجنة [3]

"صاحب المكس جہنم میں اس لیے جائے گا کہ اس نے لوگوں پر ظلم کیا ۔ ان سے شرعی حق کے بغیر مال وصول کیا ۔ اگر اسے حلال سمجھے گا تو آگ میں ہمیشہ رہے گا۔ اس لیے کہ وہ کافر ہے ۔ اگر حلال نہیں سمجھے گا تو گنہگار ہوگا ۔ نافرمان اہل ایمان

---

[1] الترغیب والترھیب ج ا ص ۵۶۷

[2] حاشیہ الفتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۸

[3] حاشیہ الفتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۷

کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا آگ سے نکال کر اسے جنت میں داخل کر دے گا۔

معلوم ہُوا کہ "مکس" جہالت کے ٹیکسوں میں سے ایک ٹیکس تھا۔ جس کے وصول کرنے والے کو اسلام نے جہنم کی آگ کی وعید سنائی ہے۔

جزیہ یہ وہ ٹیکس تھا جو غیر مسلمان سے ان کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جاتا تھا[1]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق یہ ۸ھ یا ۹ھ میں اس وقت وصول کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا[2]

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝[3]

"اہل کتاب میں سے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حرام کیا ہے۔ اس کو حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ ان کے ساتھ اس وقت تک قتال کریں کہ جب تک وہ ذلیل و رسوا ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ نہیں دے دیتے۔

اسی آیت مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں حکم ہے حضرت عمر فاروق کو مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنے میں تردد تھا۔ لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی دے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنا شروع کر دیا[4]

---

[1] مفردات القران ۔ جزیہ۔ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۱۸

[2] فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۹

[3] سورۃ التوبہ آیت ۲۹

[4] دارقطنی ج ۲ ص ۱۵۵ کنز العمال ج ۴ ص ۵۰۲

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لیس علی مسلم جزیۃ [1]

مسلمان پر جزیہ نہیں۔

امام ترمذی نے اپنی جامع الترمذی میں باب باندھا ہے۔

باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ [2]

اس کا باب کہ مسلمانوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

پھر انہوں نے حضرت ابن عباسؓ والی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

والعمل علی ھذا عند عامۃ اھل العلم۔

عام اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

تسقط الجزیۃ بالاسلام والموت عند ابی حنیفۃ لقولہ علیہ السلام لیس علی مسلم جزیۃ [3]

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (غیر مسلم) کے مسلمان ہوجانے یا مرجانے کی وجہ سے جزیہ ساقط ہوجاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم پر جزیہ نہیں۔

خراج

یہ ٹیکس بھی غیر مسلم اہل ذمہ پر لگایا جاتا تھا۔ درحقیقت یہ ان کی زمینوں پر لگان تھا مفتوحہ علاقوں میں زمینوں کو ان کے سابقہ مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا جاتا اور ان کے علاقے کے اعتبار سے ان سے خراج وصول کیا جاتا۔

امام غزالیؒ سے منقول ہے کہ حکومت وقت اگر مسلمانوں سے خراج کے طور پر مال لیتی

---

[1] ابوداؤد ص ۴۳۴ مسند احمد ج اص ۲۲۳ ایضاً ص ۲۸۵

[2] جامع الترمذی ج اص ۱۰۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۹۷

۳ [illegible]

ہے تو وہ ناجائز ہے[۱]

حضرت علاءؓ بن الحضرمی سے مروی ہے۔

بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی البحرین فکنت اٰتی الحائط یکون بین الاخوۃ یسلم احدھم فاٰخذ من المسلم العشر والمشرک الخراج[۲]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین کی طرف بھیجا۔ پس میں ایسے باغ میں آتا کہ جس میں کئی بھائی شریک ہوتے۔ ان میں سے ایک مسلمان ہوتا۔ میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج وصول کرتا۔

خراج اس غلام سے بھی لیا جاتا تھا جو کسی ہنر میں مہارت رکھنے کی بنا پر کمائی کرتا اور اپنے آقا کو طے شدہ خراج ادا کرتا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے

کان ابو حنیفۃؒ یقول لا یجتمع خراج و زکوۃ علی رجل[۳]

امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی شخص پر خراج اور زکوٰۃ جمع نہیں ہو سکتے۔

ضَرِیبَہ یا غَلّہ | یہ بھی ٹیکس کی ایک صورت تھی جو غلاموں اور غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے:

حجم ابو طیبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامر لہ بصاع او صاعین من طعام وکلم موالیہ فخفّف عن غلۃ اضریبۃ[۴]

---

[۱] کیمیائے سعادت اردو ص ۳۰۱

[۲] مسند احمد ج ۵ ص ۵۲ ابن ماجہ ص ۱۳

[۳] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۰۱

[۴] صحیح بخاری ص ۳۰۴

"ابوطیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائی پس آپ نے اناج کے ایک یا دو صاع اس کو دینے کا حکم فرمایا اور اس کے مالکوں سے اس کی سفارش کی ۔ پس اس کے ٹیکس میں تخفیف کر دی گئی"

عشور عشر کی جمع ہے اور اس سے مراد اسلامی عشر یا صدقات نہیں بلکہ یہ وہ تجارتی امپورٹ ڈیوٹی تھی جو یہود و نصاریٰ اور ذمیوں کے ان مالوں پہ وصول کی جاتی تھی جو وہ تجارت کرنے کی خاطر مسلمانوں کے علاقوں میں لایا کرتے تھے ۔

حسنؒ سے مروی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا

ان تجارا من قبلنا من المسلمين ياتون ارض الحرب فياخذون منهم العشر۔

"ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ ان سے مال کا دسواں حصہ وصول کرتے ہیں ۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو جواب میں حکم دیا ۔

خذ انت منهم كما ياخذون من تجار المسلمين وخذ من اهل الذمة نصف العشر ومن المسلمين من كل اربعين درهما درهما وليس فيما دون المائتين شئ فاذا كانت مائتين ففيها خمسة دراهم ومازاد فبحسابه[1]

"تم بھی ان سے اسی طرح دسواں حصہ وصول کرو کہ جس طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں ۔ ذمیوں سے بیسواں اور مسلمانوں سے ہر چالیس پر ایک ایک درہم وصول کیا کرو ۔ دو سو درہموں سے مال کم ہو تو اس پر کچھ وصول نہیں کرنا ۔ جب مال دو سو درہموں کا ہو جائے تو اس میں سے پانچ درہم لینے ہیں اور اگر مال دو سو درہموں سے زیادہ ہو جائے تو پھر حساب لگا کر رقم وصول کرو ۔

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۳۵

عمرو بن شعیب کی روایت کے مطابق حربیوں میں سے اہلِ منبج نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں تحریراً عرض کیا۔

دعنا ندخل ارضك تجارا وتعشرنا فشاور عمر اصحاب رسول اللهؐ فی ذلك فاشاروا علیه به فكانوا اول من عشر من اهل الحرب[1]

"ہمیں اپنے ملک میں تجارت کے لیے آنے کی اجازت دیں اور ہم سے دسواں حصہ وصول کیا کریں عمر فاروق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے اس اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے اس کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ وہ پہلی حربی قوم تھی کہ جس سے عشر لیا گیا۔

معلوم ہوا کہ تجارتی عُشر یعنی امپورٹ ڈیوٹی کی ابتدا حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں اس وقت ہوئی جب حربی قوم کے تجار نے اہل اسلام کے علاقوں میں تجارت کی اجازت ملنے پر خود ہی اپنے مالوں کا دسواں حصہ اسلامی خزانے میں جمع کروانے کی پیش کش کی۔

دوسری روایت کے مطابق جب مسلمان تجار سے حربیوں نے دسواں حصہ وصول کرنا شروع کیا تو اس کے جواب میں امیر المؤمنین کی اجازت سے حربی تجار سے بھی مسلمانوں نے دسواں حصہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ خیال رہے کہ مسلمانوں سے جو ڈیوٹی وصول ہوتی تھی اس کی وہ حیثیت نہ تھی جو کہ غیر مسلموں سے ہونے والی ڈیوٹی کی تھی۔

قاضی ابو یوسفؒ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

وكل ما اخذ من المسلمين من العشور فسبيله سبيل الصدقة وسبيل ما يوخذ من اهل الذمة جميعا واهل الحرب سبيل الخراج[2]

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۲۵

[2] کتاب الخراج ص ۱۳۴

"اور مسلمان سے جو ڈیوٹی کے طور پر وصول کیا جائے گا۔ اس کی حیثیت زکوٰۃ جیسی ہوگی اور جو ذمیوں اور حربیوں سے وصول ہوگی اس کی نوعیت خراج جیسی ہوگی"

زیاد بن حدیر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے عُشر پر عامل بنا کر حکم دیا:

ان اخذ من تجار المسلمین ربع العشر۔

کہ میں مسلمان تجار سے ۲½ فیصد وصول کروں۔

دوسری روایت کے مطابق۔

من تجار اهل الذمة مثل ما اخذ من تجار المسلمین[1]

"اہل ذمہ کے تجار سے وہ وصول کروں کہ جو مسلمان تجار سے ان کے علاقوں میں وصول کیا جاتا ہے۔"

انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ان سے فرمایا:

خذ من المسلمین من کل اربعین درهما درهما ومن اهل الذمة من کل عشرین درهما وممن لا ذمة له من کل عشرة درهما درهما[2]

"کہ مسلمانوں سے ہر چالیس درہموں پر ایک درہم (۲½ فیصد) اہل ذمہ سے ہر بیس درہموں پر ایک درہم (۵ فیصد) اور جو اہل ذمہ نہیں۔ ان سے ہر دس درہموں پر ایک درہم (۱۰ فیصد) وصول کروں۔"

قاضی ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون رشید پر یہ بھی واضح کر دیا تھا۔

اذا مر التاجر علی العاشر بمال او متاع وقال قد ادیت زکاته وحلف علی ذلك فان یقبل منه ویکف عنه ولا یقبل فی هذا من الذمی ولا من الحربی لانه لا زکوٰة علیهما[3]

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۳۴

[2] کتاب الاموال

[3] المحلی لابن حزم ج ۶ ص ۱۱۵

"اگر کوئی تاجر مال ومتاع کے ساتھ عاشر کے پاس سے گزرے اور حلف اٹھا کر کہے کہ میں نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے تو اس کی یہ بات مان لی جائے اور اس سے ڈیوٹی وصول نہ کی جائے کیونکہ ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔"

قاضی ابو یوسفؒ کی اس ہدایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان تاجروں سے جو تجارتی ڈیوٹی وصول کی جاتی تھی۔ وہ ان کے مالوں کی زکوٰۃ ہوتی تھی۔ اگر تجار حلف اٹھا کر کہہ دیتے کہ ہم نے اپنے مالوں کی زکوٰۃ پہلے ہی ادا کر دی ہے تو پھر ان سے کوئی ڈیوٹی وصول نہ کی جاتی تھی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ عمر فاروقؓ نے مسلمانوں سے بھی تجارتی عشر وصول کیا تو یہ بات کسی بھی صورت میں درست نہیں ہو گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام سے ایسا عشر وصول کرنے سے منع فرمایا لہٰذا جس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ عمر فاروق کیسے کر سکتے تھے۔

حرب بن عبید الثقفی کے خالو سے مروی ہے کہ میں نے اپنی قوم بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

اعشرها فقال انما العشور على اليهود والنصارى وليس على اهل الاسلام عشور[1]

"کیا میں اپنی قوم سے عشر وصول کروں؟ آپ نے فرمایا۔ بے شک عشور یہود و نصاریٰ پر ہے۔ اہل اسلام پر عشور نہیں۔"

یہی روایت امام ابو داؤد اور امام ابن ابی شیبہ نے وائل کے خالو سے نقل کی ہے[2]

سعید بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يا معشر العرب احمدوا الله الذى رفع عنكم العشور[3]

اے عرب کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو کہ جس نے تم سے عشور کو ہٹا دیا۔

---

[1] مسند احمد ۳ ص ۴، ۴

[2] ابو داؤد ص ۴۳۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۹۲

[3] مسند احمد ج ا ص ۱۹۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۹۷ مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۱۸۷

احمد عبد الرحمٰن البنا الساعاتی نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یعنی ما کانت تاخذ ملوکھم و رؤساء قبائلھم منھم من الضرائب والعشور و نحو ذٰلك[1]

"یعنی ان کے بادشاہ اور قبائل کے سردار ٹیکس اور عشور اور ان کی مثل ان سے جو وصول کیا کرتے تھے۔

امام ابو عبیدؒ نے نقل کیا ہے۔

انه قد کان له اصل فی الجاھلیة یفعله ملوك العرب والعجم جمیعًا فکانت سنتھم ان یاخذوا من التجار عشر اموالھم اذا مروا بھم[2]

"اس کی بنیاد جہالت کے زمانے میں رکھی گئی کہ جب عرب وعجم کے بادشاہوں کا یہ طریقہ بن گیا کہ اپنے پاس سے گزرنے والے تاجروں سے دس فیصد ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ اور عشر فرض ہے

مذکورہ روایات سے عیاں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے صرف زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا پابند بنایا ہے۔ اگر کوئی اس کے علاوہ بارگاہ اللہ میں صدقہ پیش کرتا ہے یا انفاق فی سبیل اللہ کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو اپنے اس عمل سے وہ عند اللہ اپنے درجات کو بلند کرواتا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ اس پر کوئی ایسا ٹیکس واجب نہیں ہو سکتا کہ جس کی اصل جاہلیت کے زمانہ تھی۔

اسی لیے علامہ شوکانیؒ نے فیصلہ دیا ہے۔

لیس علیھم غیر الزکوٰۃ من الضرائب والمکس

---

[1] الفتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۹

[2] کتاب الاموال ص ۴۷۲

وبحوھا ئہ
"کہ ان پر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس اور اس کی مثل واجب نہیں "
علامہ الساعاتی کا بیان ہے ۔
ای غیر ما فرضہ اللہ علیھم فی الصدقات فلا یوخذ من المسلم ضریبۃ ولا شیٔ یقرر علیہ فی مالہ لانہ یصیر کالجزیۃ [۲]
"یعنی صدقات کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر جو فرض کیا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں پس مسلمان سے کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائے اور نہ کچھ اس پر مقرر کیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو وہ جزیہ کی صورت اختیار کر جائے گا۔"
ظاہر ہے کہ مسلمان سے جزیہ وصول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جزیہ تو غیر مسلموں پر واجب ہوتا ہے ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :
اذا ادیت زکوٰۃ مالك فقد قضیت ما علیك [۳]
"جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو جو تجھ پر فرض تھا اسے تو نے پورا کر دیا ۔
امام ترمذیؒ نے پہلے اس حدیث کو باب بنایا ۔ پھر روایت کے طور پر نقل کرنے کے بعد مزید وضاحت یوں کی ہے کہ اور طریقے سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا ۔

---

[۱] نیل الاوطار ج ۸ ص ۶۴

[۲] الفتح الربانی ج ۱۵ ص ۱۷

[۳] ترمذی ج ا ص ۱۶ ابن ماجہ ص ۱۲۸ فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۳ زوائد ابن حبان ص ۲۰۴ کنز العمال ج ۶ ص ۲۹۳ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۸۴

هل عليّ غيرها؟ قال لا الا ان تطوع ۔

"کیا اس کے علاوہ بھی کچھ مجھ پر فرض ہے ۔ آپ نے فرمایا نہیں ۔ اگر تو رضاکارانہ طور پر دینا چاہے تو اجازت ہے۔"

یہی الفاظ امام بخاریؒ کی ایک نقل کردہ روایت کے ہیں؛[1]

فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ[2]

"مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور فرض نہیں۔"

امام شعرانی نے علمائے کرام کا اس پر اجماع نقل کیا ہے ۔

اسی حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام ماوردی نے لکھا ہے ۔

لا یجب علی المسلم فی مالہ حق سواھا[3]

"کہ مسلمان کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق فرض نہیں ہوتا۔"

اگر کہا جائے کہ فاطمہ بنت قیس سے یہ بھی مروی ہے ۔

فی المال حق سوی الزکوٰۃ ۔

"مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔"

جامع الترمذی میں یہ دونوں روائتیں موجود ہیں ۔ امام ترمذیؒ نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے۔" والی روایت کی سند درست نہیں ۔ کیونکہ اس روایت کے ایک راوی ابوحمزۃ میمون الاعور کو ضعیف کہا گیا ہے ۔

جامع الترمذی کے شارح علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے نقل کیا ہے کہ امام احمدؒ نے ابوحمزہ میمون کے بارے میں فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہے یعنی اس

---

[1] صحیح بخاری ص ۱۲

[2] المغنی لابن قدامہ ج ص ۳، ۷ ۵ کنز العمال ج ۶ ص ۳۲۳ المیزان الکبری ج ۲ ص ۲ ابن ماجہ ص ۱۲۸ ۔

[3] الاحکام السلطانیہ ص ۱۱۳

کی حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ امام دارقطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ کا کہنا ہے کہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک مضبوط نہیں۔ امام نسائی کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں [1]

امام بیہقیؒ کی تحقیق ہے کہ یہ حدیث ابوحمزہ میمون الاعور کوفی کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ یحییٰؒ بن معین اور ان کے بعد آنے والے حفّاظ حدیث نے اس پر جرح کی ہے۔ ہمارے ساتھی تعالیق میں جو روایت نقل کرتے ہیں وہ "لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ" ہے یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی حق نہیں۔

اس ساری بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان اگر صاحبِ نصاب ہے تو وہ صرف زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا پابند ہے۔ اگر وہ اس کے علاوہ اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر ضرورت مندوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ عند اللہ ماجور ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے حضرت انسؓ کو جب بحرین کا حاکم بنا بھیجا تو ان کو زکوٰۃ کے بارے میں تحریری ہدایت نامہ دیا۔

هذه فريضة الصدقة التى فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين التى امر الله بها رسوله فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليعطها ومن سئلها فوقها فلا يعط [2]

"یہ وہ صدقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا یہ وہی ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ پس مسلمانوں میں سے فریضہ کے مطابق جس سے طلب کیا جائے وہ ادا کر دے اور جس سے فرض کردہ سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے۔"

صحیح بخاری جو آج کل مدارس میں متداول ہے۔ اس میں "فلا یعط" کے نیچے بین السطور لکھا ہوا ہے۔

---

[1] تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۲ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۳۴

[2] صحیح بخاری ص ۱۹۵ نسائی ج ا ص ۲۷۳ ابن حبان ج ۱۱۱ الام ج ۲ ص ۴

ای زائداً علی الفریضۃ المعینۃ ۔

" یعنی فرض معینہ سے جب زیادہ طلب کیا جائے ۔

شاہ ولی اللہؒ نے بھی یہی لکھا ہے [1]

ضحاک بن مزاحم سے تو یہ بھی مروی ہے ۔

نسخت الزکاۃ کل حق فی المال [2]

زکوٰۃ نے مال کے ہر حق کو منسوخ کر دیا ہے۔

جب زکوٰۃ و عشر کے بارے میں یہ حکم ہے کہ صاحب نصاب مسلمان پر جتنی فرض ہوتی ہے اس سے زیادہ اس سے وصول نہ کی جائے تو اس پر زکوٰۃ و عشر کے علاوہ کوئی اور ٹیکس کیسے لگایا جا سکتا ہے ؟

ایک مال پر ایک ہی بار زکوٰۃ و عشر اور ٹیکس کا واجب ہونا

اسلامی نظام زکوٰۃ و عشر اور ٹیکس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مسلم یا غیر مسلم کے ایک مال پر سال میں ایک ہی مرتبہ زکوٰۃ و عشر یا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے ۔ اس کے برعکس دنیا میں مروجہ نظام ٹیکس کے تحت ایک ہی آمدنی یا ایک ہی مال پر کئی ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں ۔ جیسا کہ انکم ٹیکس، سوپر ٹیکس، سرچارج، ویلتھ ٹیکس، سیلز ٹیکس ۔ امپورٹ ڈیوٹی اور ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ ۔

اسلام میں اس کی بالکل اجازت نہیں کہ ایک مال پر بار بار زکوٰۃ یا عشر وصول کیا جائے یا زکوٰۃ اور عشر کی شرح میں اضافہ کر دیا جائے اسی طرح غیر مسلم کے مال پر بار بار تجارتی ڈیوٹی واجب کر دی جائے یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈال دیا جائے

علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں اسلام کی عظمت کو اجاگر کرنے والا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عاشر نے رومی تاجر سے اس کے گھوڑے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۵۳ (مترجم)

[2] المحلی ابن حزم ج ۶ ص ۱۵۸ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۴۵ ۔

کا عشر وصول کر لیا۔ اتفاق سے اس تاجر کا گھوڑا فروخت نہ ہُوا۔ جب وہ اپنے گھوڑے سمیت واپس ہوا تو عاشر نے اس سے پھر عُشر طلب کیا۔ نصرانی نے عاشر سے کہا کہ میں جب تمہارے پاس سے گزرا تو تمہیں عشر ادا کر دیا تھا۔ اب مجھ پر کچھ بھی ادا کرنا باقی نہیں۔ جب عاشر نے اصرار کیا تو اس نے اپنا گھوڑا عاشر کے پاس چھوڑا اور خود مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ اس نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضؓ کو مسجد نبوی میں اس طرح پایا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی کتاب یا خط کو دیکھ رہے تھے۔ نصرانی نے مسجد کے دروازے سے آواز لگائی کہ میں نصرانی شیخ ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب میں فرمایا۔ میں دین حنیف کو ماننے والا شیخ ہوں۔ کیا بات ہے؟ نصرانی نے عاشر کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو سنا دی۔ حضرت عمر فاروق اس کی بات سُن کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ نصرانی نے خیال کیا کہ امیر المؤمنین نے اس کی بات کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔ لہٰذا وہ عاشر کے پاس واپس آیا اور دوبارہ عشر ادا کرنے پر تیار ہو گیا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے عاشر کے پاس امیر المؤمنین کا حکم نامہ پہنچ چکا تھا۔ اگر اس سے ایک عشر لے چکے ہو تو دوسری بار مت لینا۔

نصرانی نے کہا کہ جس دین میں عدل و انصاف کی یہ صفت موجود ہو وہی حق ہونے کے لائق ہے اور وہ وہیں مسلمان ہو گیا [1]

جب غیر مسلم سے اس پر واجب ہونے والی ڈیوٹی سے زیادہ وصول کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا تو اسلامی ریاست میں مسلمانوں سے غیر اسلامی ٹیکس وصول کرنے کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے؟

علامہ علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی المتوفی ۹۷۰ھ نے نقل کیا ہے:

ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃ اموالکم [2]

تمہارا اسلام کو پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

---

[1] المبسوط ج ۲ ص ۲۰۱

[2] کنز العمال ج ۶ ص ۲۹۶ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۲۰

لہذا واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی بھی غیر شرعی ٹیکس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اسلام نے ان تمام ٹیکسوں کو ختم کر دیا تھا جو عرب میں اس وقت رائج تھے۔ مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی فرض ہے اور جو صاحب نصاب اس کی ادائیگی کا منکر ہو تو حاکم وقت اس سے زبردستی وصول کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے اپنے خلافت کے آغاز میں کیا تھا۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔